ڈاکٹر میاں احسان باری

استقبال اور استقبالیے

پاکستان جیسے نظریاتی ملک میں ایک کریہہ وقبیح روایت عرصہ سے چل نکلی ہے کہ برسر اقتدار ٹولہ اور اپوزیشن سمیت شوپیس نما سیاستدان ہر صورت اپنا استقبال چاہتے ہیں۔ لوگوں سے اپنے نام کو زندہ باد سن کر غرور سے مزید اکڑے جاتے ہیں۔ وہ مقتدر بن جائیں تب بھی اور اقتدار سے محروم کر ڈالے جائیں پھر بھی استقبال کروا کر ہی راضی ہوتے ہیں۔ اس کریہہ عمل سے عوام اور سیاسی کارکنوں کو جو تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں ان کا کسی بھی صورت مداوا نہیں کیا جا سکتا۔ عوام اب تک دونوں بڑی پارٹیوں کے سربراہوں کا کہ جب وہ دونوں بہ یک وقت اقتدار میں تھیں۔ استقبال کروانے اور بھونڈے طریقے سے افراد کو لاہور مینار پاکستان پر اکٹھے کرنے کا مقابلہ اب تک نہیں بھولے۔ کوئی بس ویگن ملک بھر میں عام آدمی کیلئے دستیاب نہ تھی۔ شادیاں تک ملتوی کرنا پڑیں۔ اگر کوئی بارات راستہ میں کسی چک کی سائیڈ روڈ سے پکی سڑک پر آ گئی تو وہ بھی چھین لی گئی اور ان کی گاڑی بھی قبضہ بہ سرکار ٹھہری۔ باراتیں چھتیس چھتیس گھنٹے کی تاخیر سے منزل مقصود تک پہنچیں۔ یہاں تک کہ شادی شدہ جوڑے سہاگ کی پہلی رات کی اصل ملاقات سے بھی محروم رہ گئے۔ اگر کوئی مریض کہیں کسی ایمبولینس میں جا رہا تھا تو وہ ٹریفک کے تعطل کی بنیاد پر تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ کہ ملک کے کارپرداز رہنماؤں کا استقبالیہ اور جلسہ جلوس منعقد ہو رہا تھا۔ بچے سکول گئے تو دیر رات تک واپس گھر نہ پہنچے۔ والدین کی پریشانی کا کیا عالم ہوگا۔ کئی لوگ ان افراتفری سے بھری گئی بسوں، ویگنوں اور ٹرکوں کے اوپر چڑھے نام نہاد لیڈروں کے نعرے لگاتے ہوئے تاروں سے الجھ کر فوت ہوئے اور بھری بس کا وہ واقعہ تو یاد ہی ہوگا کہ اوپر بیٹھے کئی افراد لاہور میں زیر زمین بنائے گئے راستوں کی کم بلندی ہونے کی وجہ سے چھتوں سے ٹکرا ٹکرا کر ہلاک ہوئے۔ کہ وہ اوپر چڑھے نعرے زن تھے۔ اور اپنے راہنماؤں کی سربلندی کیلئے گیت گا رہے تھے۔ مگر لیڈران پر اس کا ذرا برابر بھی اثر نہ ہوا اور یہ غلیظ سلسلہ آج بھی جاری وساری ہے۔ ابھی لندن سے آئے ہوئے ایک لیڈر کے استقبال کیلئے بھی جس طرح دور دراز سے لوگ ڈھو ڈھو کر لائے گئے وہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے کروڑوں روپے کے بینرز لگائے اور وال چاکنگ کی گئی اور جو اس سارے عمل پر کروڑوں روپے خرچ ہوئے وہ کیا اس جان لیوا مہنگائی کے دور میں کہ جب لوگ نان جویں کو ترس رہے ہیں اور دال روٹی تک کی ایک ہنڈیا پکانا مشکل ہو رہا ہے اور یقین کیجئے کہ دیہاتوں میں ہی نہیں بلکہ شہروں کی بھی آبادی کا تیسرا حصہ کئی کئی روز چھوٹے موٹے سالن کو بھی ترستا رہتا ہے۔ یہ انتہائی فضول خرچی نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ عمل کس قدر اسلامی ہوگا یا غیر اسلامی یہ جید علماء ہی بتا سکتے ہیں۔ اسلام جس کے سبھی سیاستدان علمبردار بنتے ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ ان کا یہ فعل سراسر غیر اسلامی ہے یا نہیں؟۔ دوسری طرف چھوٹے اضلاع میں کئی ایسی عمارات کے افتتاح ہوئے جن کی پرائمری سکول وغیرہ کی دیوار پر ۶۰ ہزار روپے یا کم وبیش خرچہ ہوا تھا۔ مگر استقبالیہ افتتاحی تقریب پر کسی وزیر بے تدبیر و بے ضمیر کے دورہ پر ایک لاکھ ساٹھ ہزار تک کا خرچہ آ گیا۔ شرم انہیں پھر بھی نہیں آتی۔ یہ ترقی پذیر غریب ملک

کے مقتدر افراد کے اللے تللے قوم کیونکر اور کب تک برداشت کرے؟ بیرونی ممالک خصوصاً لادین یہودی نواز ممالک سے قرضہ لیکر اپنی پگ اونچی دکھانے کے لئے ایسے فنکشن کرنا کیا انہیں زیب دیتا ہے نہیں ہرگز نہیں۔ یہی رقوم کہیں غریب پسے ہوئے طبقات کی دال روٹی پر خرچ کی جاتیں تو کئی خاندانوں کا بھلا ہو جاتا۔ مگر ایسا کیونکر ممکن ہوتا یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ کہ ایسا سیاستدان کیوں نہ کریں اس میں کونسی ان کے باپ دادا کی کمائی خرچ ہوتی ہے۔ مقتدر ڈکٹیٹر فوجی ہو یا سویلین اسے سرکاری خزانہ لٹانے سے کون روک سکتا ہے اور اپوزیشن افراد نے بھی اقتدار میں آ کر ناجائز کمائیاں بصورت قرضے پلاٹ الاٹمنٹ نوکریاں کر لینی ہوتی ہیں اس لئے انہیں بے دریغ خرچہ کرتے ہوئے کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی۔ جونہی ان کا کسی حکومتی ادارہ میں پیر پھنسا وہ کئی گنا سود در سود کی صورت میں کما ڈالیں گے۔ اس لئے وہ شرم کیوں محسوس کریں اقتدار میں آ کر دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں سے لوٹنا ان کا شیوہ ہوگا۔ اگر قوم اتفاق کرے تو لیڈر خواہ وہ ملک کے اندر ہو یا باہر اس کا استقبال چہ معنی دارد؟ وہ آج تک کوئی کارنامہ تو کر نہیں سکے کہ اسے کوئی تحفہ دیا جانا چاہیے۔ یا وہ کوئی کارنامہ کر کے آ رہے ہوں سبھی لوگ کسی نہ کسی طرح اقتدار کی لونڈی کو اپنا غلام بنانے کیلئے ہی تگ و دو کر رہے ہوتے ہیں۔ آج نعروں والے دن تو لد گئے جب غریبوں کے حق میں نعرے گونجا کرتے تھے کہ مانگ رہا ہے ہر انسان روٹی، کپڑا اور مکان اب تو صورتحال یہاں تک آن پہنچی ہے کہ کسان، مزدور کے مطالبات تو کبھی کسی سیاسی جماعت نے اٹھائے ہی نہیں اور میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ مزدوروں کی تنظیمیں تو کہیں کہیں خانہ پری کیلئے سیاسی جماعتوں نے بنا رکھی ہے۔ مگر کسانوں کی تنظیموں کا کہیں وجود تک نہ ہے۔ جبکہ کسان اس زرعی ملک کا ۸۵ فیصد آبادی ہے۔ جنہیں دن رات اپنے ہی کام کاج سے فرصت نہ ہے اسی لئے کسان سخت مفلوک الحال زندگی گزار رہا ہے۔ عام آدمی ماضی کی طرح نہ اب جیالا رہا ہے نہ جمالا نہ اسلام پسندہ۔ سیاستدانوں کی متعدد اُلٹ پلٹ کلابازیوں کی وجہ سے پارٹیوں کے چند کارکن ہیں جو مستقبل کی کسی آس پر ساتھ بھاگے پھر رہے ہیں۔ عام آدمی ان لیڈر نما، خودستائی کے پرستار سیاستدانوں کی اوچھی حرکتوں سے اس قدر تنگ ہو چکا ہے کہ وہ ذاتی محفلوں میں ان پر تبرے برساتا رہتا ہے اور ایسی ایسی فحش کلامی کرتا ہے کہ الامان والحفیظ اور پھر بھی ان کو پڑی ہوئی ہے اپنے استقبال و استقبالئے کروانے کی۔ اس خام خواہ کی غلیظ رسم وریت کو اب ختم ہو جانا چاہیے۔ کہ جب الیکشن ہوگا تو تمام کی پاپولیریٹی سامنے آ جائے گی۔ روزانہ روزانہ کارکنوں کو تنگ نہیں کرنا چاہیے اور جب عام آدمی اس عمل سے گزرتا ہے تو لِتر پریڈ، آنسو گیس اور تھانے میں چھترول ہو کر رہتی ہے۔ کارکنوں کو لیڈروں کو زندہ باد کہنے کے جرم میں کئی بار عرصہ ۶۰ سال سے یہ زخم لگے ہیں۔ مگر گلا سڑا نظام تبدیل کرنے والا کوئی اللہ کا بندہ آج تک سامنے نہ آ سکا ہے۔ کہ فوج، بیوروکریسی اور جاگیردار تکون ہی جدھر سے دیکھیں جب دیکھیں اقتدار پر جھپٹ کر قبضہ کر لیتی ہے۔ غریب عوام منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور پھر منتخب لٹیرا، وڈیرا مزید مال بنانے میں لگ جاتا ہے اور عوام کے قابو نہیں آتا۔ اب قانون نام کی کوئی شے تو رہ ہی نہیں گئی۔ سپریم کورٹ و ہائی کورٹوں تک غنڈوں کی دمہ چوکڑی سے نہیں بچ سکے۔ عوام فیصلہ کرے کہ کیا اب خونی انقلاب ہی آ کر اس سارے گلے سڑے نظام اور اس کے علمبرداروں کو تحس نہس کرے گا۔ تاکہ ان کی نعشوں کو دفنانے کیلئے نہ ہی بندے مل سکیں اور نہ ہی پاک سرزمین پر کوئی جگہ۔ ''سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا۔ جب لاد چلے گا بنجارا۔''